مسائل تصوف

مولانا سید داؤد غزنویؒ

جمع وترتیب: سید ابو بکر غزنویؒ

پیشکش

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

مسائلِ تصوّف

تصوّف کیا ہے ؟

حضرت مجددؒ سے طبعی مناسبت

طریقت شریعت کا جز ہے

مسائل متفرقۂ تصوّف

اشغال صوفیہؒ کی شرعی حیثیت

لطائف کی حقیقت اور تعداد

لطائف ستّہ

الا وہی القلب کی تشریح

ذکر لسانی افضل ہے یا ذکر قلبی

بیعت طریقت

کشف و کرامات

توجّہ اور تصرّف

یوں تو شب خیزی، تہجد گزاری اور کثرتِ ذکر زندگی بھر آپ کا معمول رہا، مگر آخری عمر میں وہ ہمہ تن اور ہمہ دل اللہ کی طرف متوجہ تھے اور تصوّف کی طرف اُن کا میلان بہت بڑھ گیا تھا۔ آخری علالت سے قبل تصوّف کے بعض عنوانوں پر چند مقالے تحریر فرمائے۔ ان میں سے بعض مقالے عربی میں ہیں اور بعض اُردو میں۔

ان مکالمات کی روشنی میں جو اس موضوع پر ان کے ساتھ وقتاً فوقتاً ہوئے اور ان مقالوں کی روشنی میں مختلف مسائلِ تصوّف پر اُن کے رجحانات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

تصوّف کیا ہے؟

"مسائلِ متفرقہ تصوّف" میں لکھتے ہیں:

"تصوّف لوٹنے پوٹنے کا نام نہیں ہے بلکہ مقامات کا نام تصوّف ہے اور مقامات یہی ملکات ہیں — اخلاص، رضا، تواضع وغیرہ۔ ان کو حاصل کرو اور ان کے اضداد، ریا و کبر، حسد و بغض، حرص، طول امل سے باز رہو، بس صوفی ہو گئے۔" صفحہ ۱

"مسائلِ متفرقہ تصوّف" میں لکھتے ہیں:

"یاد رکھو اصل مقصد تصوّف سے یہ ہے۔ اعمالِ شرعیہ یعنی طاعتِ واجبہ و مستحبّہ کا بجا لانا اور معاصی سے اجتناب کرنا۔ یہ بندہ کی طبیعتِ ثانیہ بن جائے۔ بس یہ وہ چیز ہے جس سے قُرب و رضائے حق حاصل ہوتی ہے۔ کیفیات و کشفیات کا اِس سے

کچھ تعلق نہیں۔ اگر ایک شخص ادائے طاعت و اجتناب عن المعاصی میں پختہ ہو، وہ کامل صوفی ہے۔ گو کیفیات کچھ بھی اس پر وارد نہ ہوتی ہوں اور جس پر کیفیات بکثرت وارد ہوتی ہوں، کشف و تصرّف میں ملکہ رکھتا ہو، مگر اوامر و نواہی میں پختگی حاصل نہ ہو، وہ صوفی نہیں۔" (ص۔۲)

حضرت مجدّد سے طبعی مناسبت

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے ساتھ انہیں طبعی مناسبت بہت تھی۔ اور ان کے مکتوبات کا مطالعہ بڑے التزام سے کرتے تھے۔ مکتوبات کا وہ نسخہ جو اُن کے زیرِ مطالعہ رہا راقم الحروف کے پیشِ نظر ہے۔ سُرخ پنسل سے جگہ جگہ عبارتیں نشان زدہ ہیں بالخصوص وہ عبارتیں جن میں اتباعِ سنّت پر حضرت مجدد صاحبؒ نے زور دیا ہے۔ حضرت والد علیہ الرحمہ نے اُن عبارتوں کو مکتوبات کی دونوں جلدوں کے شروع میں خالی صفحات پر قلمبند بھی کیا ہے۔ ان میں سے اکثر عبارتیں اُنہیں زبانی یاد تھیں اور خطبوں کے دوران بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ ان عبارتوں کو حرفاً حرفاً نقل کیا کرتے تھے۔ اُن میں سے بعض عبارتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ اِن عبارتوں سے تصوّف کے بارے میں اُن کے رجحانات کے تعین میں مدد ملے گی۔

" طریقت و حقیقت کہ صوفیہ بآں ممتاز گشتہ اند ہر دو خادمِ شریعت اند۔
کوتہ اندیشاں احوال و مواجید را از مقاصد مے شمرند و مشاہدات و تجلیات را
از مطالب مے انگارند۔ لاجرم گرفتارانِ زندانِ وہم و خیال می مانند . . . . .
از کمالاتِ شریعت محروم میگردند"[1]

(طریقت و حقیقت کہ صوفیا اس سے ممتاز ہیں، دونوں خادمِ شریعت ہیں۔ کوتاہ نظر کیفیات اور وجد کو منزلِ مقصود سمجھتے ہیں اور مشاہدات و تجلیات کو مطالب شمار

---

[1] مکتوبات ج۔۱ صہ ۹۸ مکتوب ۳۶

کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے ہی توہمات میں گرفتار اور شریعت کے کمالات سے محروم رہ جاتے ہیں)

"بعد از طیِّ منازلِ سلوک و قطعِ مقاماتِ جذبہ معلوم شد کہ مقصود از یں سیر و سلوک تحصیلِ مقامِ اخلاص ست ... و ایں اخلاص جزویست از اجزائے شریعت چہ شریعت را سہ جزو است علم و عمل و اخلاص .....

امّا فہمِ ہر کس ایں جا نہ رسد۔ اکثر عالم بخواب و خیال آرمیدہ اند و بجوز و مویز اکتفا نمودہ اند از کمالات شریعت چہ دانند و بہ حقیقت طریقت و حقیقت چہ وارسند۔ شریعت را پوست خیال می کنند و حقیقت را مغز می دانند۔ نمی دانند کہ حقیقتِ معاملہ چیست بہ تُرّہاتِ صوفیہ مغرور اند و بہ احوال و مقامات مفتون۔ ھَدَاھُمُ اللّٰہُ سُبحانَہٗ سَواءَ الطَّرِیقِ"[1]

(سلوک کے منازل اور جذب کے مقامات طے کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ سیر و سلوک سے مقصد مقامِ اخلاص کا حصول ہے .... اور یہ اخلاص شریعت کے اجزا میں سے ایک جز ہے۔ شریعت کے تین جز ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص..... ہاں البتہ ہر شخص کے فہم کی رسائی اس بات تک نہیں، اکثر خواب و خیال کی دُنیا میں مگن ہیں اور ذرا سے رُوحانی فائدے پر اُنھوں نے قناعت کرلی ہے۔ شریعت کے کمالات ہی کو نہیں جانتے طریقت و حقیقت کی حقیقت کیا سمجھیں گے۔ شریعت کو چھلکا سمجھتے ہیں اور حقیقت کو مغز جانتے ہیں۔ حقیقت حال سے ناآشنا ہیں۔ صُوفیا کی شطحیات نے انہیں خود فریبی میں مُبتلا کر رکھا ہے اور احوال و مقامات کے فریفتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سیدھی راہ کی ہدایت دے)

سلسلۂ نقشبندیہ کی طرف ان کا طبعی رجحان بہت تھا۔ طریقۂ نقشبندیہ کی تعریف میں

---

[1] مکتوب ۴۰۔ ج ۱ ص ۱۰۴

مکتوبات کی اس عبارت کو سرخ پنسل سے نشان لگایا ہے :

"اکابر طریقۂ علیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم التزامِ متابعتِ سنّتِ سنیّہ نمودہ اند و اختیارِ عمل بعزیمت فرمودہ اگر بایں التزام و اختیار ایشاں را با حوال و مواجید مشرّف سازند نعمت عظیم می دانند و اگر احوال و مواجید بایشاں بدہند و دریں التزام و اختیار فتورے یا بند آں احوال را نمے پسندند و آں مواجید را نمی خواہند و در اں فتور جز خرابیٔ خود ہیچ نمی دانند زیرا کہ برہمان و جوگیان ہنود و فلاسفۂ یونان از قسم تجلّیاتِ صوری و مکاشفاتِ مثالی و علوم توحیدی بسیار دارند امّا غیر از خرابی و رسوائی نتیجۂ آن ندارند و جز بعد و حرمان نقدِ وقتِ شان نیست"[1]

(اکابر طریقۂ نقشبندیہ اتباعِ سنّت کا التزام کرتے ہیں اور رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔ اگر اتباعِ سنّت کا التزام کرتے ہوئے انہیں کیفیات و احوال سے مشرّف فرمائیں تو اسے نعمتِ عظمیٰ جانتے ہیں اور اگر کیفیات و احوال کے وارد ہونے سے اتباعِ سنّت میں کوتاہی ہونے لگے، تو ان کیفیات و احوال کو پسند نہیں کرتے اور ان احوال کے خواہاں نہیں ہوتے اور اتباعِ سنّت میں سستی کو اپنے لیے خرابی کا باعث جانتے ہیں۔ اس لیے کہ ہندوستان کے برہمن اور جوگی اور یونان کے حکماء کو بھی تجلّیاتِ صوری، مکاشفاتِ مثالی اور علومِ توحیدی سے حصّہ وافر حاصل ہے لیکن خرابی و رسوائی اور بُعد و حرماں کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں ہوا)

ایک دن مجھ سے فرمایا :

"شریعت کا وہ حصّہ جو تزکیۂ باطن سے متعلق ہے۔ اصطلاحاً تصوّف کہلاتا ہے۔"

فرماتے تھے :

---

[1] مکتوبات دفتر اوّل حصّہ چہارم مکتوب ۲۳۷

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعثت کے بعد جو کام سرانجام دیا، قرآن مجید اُسے متعدد جگہوں پر یُوں بیان کرتا ہے: یَتْلُوا علیھم آیاتہٖ وَیُزکیھم وَیُعلّمُھم الکتاب والحکمۃ ـــــ یہ جو بار بار خدا کہتا ہے: "یزکیھم" یعنی وہ اُن کا تزکیہ کرتے ہیں۔ اسی تزکیہ کے اصول و آداب کو ہم طریقت یا تصوّف سے تعبیر کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہماری درسگاہوں میں تعلیم کتاب وحکمت کا تو اہتمام کیا جاتا ہے لیکن تزکیۂ نفس جس کا ذکر قرآن مجید تعلیم کتاب وحکمت کے علاوہ الگ مستقل بالذات بار بار کرتا ہے، اس کا قطعی طور پر کوئی اہتمام نہیں۔"

مَیں نے اُن سے پُوچھا: کیا تصوّف کی مروّجہ اصطلاحات کا استعمال آپ کے نزدیک درست ہے؟" تو حضرت نے فرمایا:

"جیسے محدّثین کی اصطلاحات ہیں، فقہا کی اصطلاحات ہیں، صرفیوں اور نحویوں کی اصطلاحات ہیں، اسی طرح تزکیۂ نفس کا علم جب باضابطہ طور پر مرتّب اور مدّون ہُوا تو اصطلاحات ناگزیر تھیں۔"

ایک دن فقہ اور تصوّف میں فرق بیان کرتے ہُوئے فرمایا:

"بات بڑی سیدھی ہے۔ وضو کن باتوں سے ٹوٹتا ہے؟ نماز کن باتوں سے باطل ہوتی ہے؟ یہ فقہ ہے اور نماز میں حضور کیسے حاصل ہو؟ رقّت اور خشیت کیسے حاصل ہو اور سینے سے چکّی کے چلنے کی آواز کیسے آئے؟ یہ تصوّف ہے اور دونوں کا ماخذ کتاب وسُنّت ہے۔"

اشغالِ صُوفیہ کی شرعی حیثیت

مَیں نے ایک روز اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ جو صوفیاء کے ہاں لطائف کی مشق ہے، نفی اثبات کا مخصوص طریقہ ہے یا حبسِ دم کا شغل ہے، کیا یہ بدعات ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا:

"یہ بزرگانِ کرام کا اجتہاد ہے۔"

مَیں نے عرض کیا: اِس اجتہاد کی علّت کیا ہے؟

فرمانے لگے: نزولِ انوار دافعِ وساوس ہوتا ہے، پھر انوارِ رسالت بالخصوص انوارِ رسالتِ محمدیّہ بدرجۂ اتم دافعِ وساوس تھے۔ جب انوارِ رسالت منقطع ہو گئے، تو وساوس اُبھرنے لگے اور عبادت میں جمعیتِ خاطر اور یکسوئی باقی نہ رہی۔ قرآن کے اس حکم پر عمل مشکل ہوا کہ اُٹھتے بیٹھتے پہلو بدلتے ہُوئے اللہ کا ذکر کرو۔ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ انوارِ رسالت کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے دوامِ ذکر ممکن العمل نہ رہا۔ پس دوامِ ذکر حاصل کرنے کے لیے اور عبادت میں جمعیّتِ خاطر اور یکسوئی پیدا کرنے کے لیے بزرگانِ کرام نے اجتہاد کیا۔" فرمایا: اگر معاملات میں اجتہاد ہو سکتا ہے تو عبادات میں جمعیتِ خاطر پیدا کرنے کے لیے اجتہاد کیوں نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک اور شام بندۂ عاجز ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں بتایا کہ بعض علماء سے اشغالِ صوفیہ پر مجھے گفتگو کا اتفاق ہوا ہے اور وہ انہیں بدعات اور محدثات قرار دیتے ہیں۔

حضرت والد علیہ الرحمہ کی پیشانی پر شکن پڑ گئی اور فرمانے لگے:

"ان علماء کا ذہن صاف ہونا چاہیے۔ جب وہ ان اشغال کو بدعات قرار دیتے ہیں تو دُوسرے لفظوں میں وہ معاذ اللہ ——— خاکم بدہن یہ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ بدعتی تھے، حضرت مجدّد الف ثانیؒ بدعتی تھے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ سب بدعتی تھے۔ ایک طرف تو یہی علماء ہندوستان میں اپنی تاریخ کا آغاز ان ہی بزرگوں سے کرتے ہیں اور ان کے ساتھ نسبت ملاتے ہیں، دُوسری طرف ان بزرگوں کے اجتہادات کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ اس منطقی تضاد سے انہیں نجات پانی چاہیے۔"

معارف اللطائف میں یوں رقمطراز ہیں :

" صوفیائے کرام کے اشغال کو بعض حضرات اس لیے پسند نہیں کرتے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ منقول نہیں، لیکن اگر ذرا دقتِ نظر سے یہ حضرات دیکھتے تو ان پر یہ واضح ہو جاتا کہ صحابۂ کرام کو ان اشغال و مراقبات کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ ان کو سید الانبیاء والمرسلین کی صحبت کے فیوض سے بہرہ ور ہونے اور آپ کے انفاسِ طیبہ کی برکات سے مستفیض ہونے کی سعادت حاصل تھی اور اس فیضان کی وجہ سے صحابۂ کرام کے قلوب و اذہان ایسی قوی اور کامل استعداد کے مالک تھے کہ اُن کو ان اشغال و مراقبات کو واسطۂ مقصود بنانے کی ضرورت نہ تھی۔ فرائض و سنن کی بجا آوری، محرمات بلکہ مشتبہات سے اجتناب ہی ان اشغال وغیرہ کے ثمرات کے حصول کیلئے کافی تھے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ علوم مروجہ (صرف، و نحو اور مرتب فقہ و اصول فقہ) صحابۂ کرام کے عہدِ مبارک میں مدوّن نہیں ہوئے تھے کیونکہ عرب ہونے کی وجہ سے وہ قواعد صرف و نحو کے محتاج نہ تھے اور عام مسائل دریافت کرنے میں آپ کی ذات بابرکات ہی کافی تھی لیکن بعد میں جب اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر عجم میں پہنچا اور خاص آپ کی ذاتِ اقدس سے بُعد ہوتا چلا گیا، ہر قسم کی ظاہری اور باطنی ضروریات اور حلِ مشکلات کے لیے تدوینِ علوم کی ضرورتوں کا احساس ہوتا گیا۔ علماء کرام اور ائمۂ ہدیٰ نے بہت جلد باحسن وجوہ ان ضرورتوں کو پورا کیا۔ محدثین جمع و تدوینِ حدیث اور فقہ الحدیث کے مرتب کرنے، فقہا، قانونِ اسلام کے مدوّن کرنے اور اصول احکام کے مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے اور بعض اہلِ علم نے امانتِ باطنی کی حفاظت اور اس کی اصلاح کی طرف اپنی توجہات کو منعطف کیا، جن کی برکت سے اصلاحِ نفس، تزکیۂ نفس اور مجاہدۂ نفس کے قواعد مرتب ہوئے اور دُنیا ان کے فیوض و برکاتِ روحانی سے مستفیض ہوئی۔ جزاهم الله عنّا و عن سائر المسلمين احسن الجزاء۔" صہ ۱۹۱۸

اس مقالے کے آخری لفظ سُنیے اگر گوشِ نصیحت نیوش ہے۔

"بہرحال ہم لوگ بُعدِ زمانۂ نبوّت کی وجہ سے ضعیف الاستعداد اور دُنیا کے ظاہری حسن و جمال سے بہت متأثر اور ضعیف الایمان ہیں۔ اِس لیے ہم جیسے لوگوں کو تزکیۂ نفس اور وصول الی اللہ (جو ثقلین کی پیدائش کی حکمتِ اصلیہ ہے) کے لیے ان وسائل و تدابیر کی شدید ترین حاجت ہے اور تجربہ اس کا شاہد ہے۔" (صفحہ ۱۹)

لطائف کی حقیقت اور تعداد

"معارف اللطائف" میں لکھتے ہیں:

"حکماء اور صُوفیہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ انسان مرکّب تو ضرور ہے۔ لیکن اس کے تمام اجزاء مادّی نہیں بلکہ بعض اجزا مادّی ہیں اور بعض غیر مادّی۔ اس کے بعد ان میں یہ اختلاف نظر آتا ہے کہ حکماء صرف نفس ناطقہ کے غیر مادی ہونے کے قائل ہیں۔ صوفیا کے نزدیک اجزاء غیر مادی متعدد ہیں اور صرف نفس ناطقہ ہی نہیں بلکہ پانچ جزو غیر مادّی ہیں۔ صوفیا کے نزدیک انسان دس اجزاء سے مرکب ہے۔ پانچ مادی اور پانچ غیر مادی ہیں۔ مادی اجزاء انسانی یہ ہیں: عناصر اربعہ "آب، خاک، ہوا اور آگ" اور نفس کے غیر مادی اجزاء یہ ہیں: قلب، روح، سرّ، خفی اور اخفیٰ۔ انہی اجزاء خمسہ مجردہ یعنی غیر مادیہ کا نام لطائف خمسہ ہے۔

لطائفِ ستّہ

بعض صوفیا اپنی اصطلاح میں ان میں نفس کو بھی شامل کر لیتے ہیں اور مجموعہ کو لطائف ستّہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ آج کل یہی نام مشہور ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اکثر لطائفِ خمسہ کا عنوان نظر آتا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ لطائف خمسہ ہی ہیں۔ جن بزرگوں نے نفس کو بھی ان لطائف کے ساتھ شمار کیا ہے اُنہوں نے تغلیباً ذکر کیا ہے جیسا کہ قمرین اور عمرین وغیرہ (شمس و قمر اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے لیے) میں تغلیباً کہا جاتا ہے۔ چونکہ

صوفیا لطائف خمسہ کے ساتھ نفس کے آثار و احوال سے بھی بحث کرتے ہیں، اس لیے
بعض بزرگوں نے مقاصدِ تصوّف کے لحاظ سے نفس کو تغلیباً لطائف میں شمار کر کے
لطائف ستہ قرار دیئے ہیں۔" صفحہ ۲۰۱

مشائخ نقشبندکے ہاں لطائفِ خمسہ میں سے ہر لطیفہ کو علیحدہ علیحدہ ذاکر بنانے کی مشق
کرائی جاتی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی
تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ صرف قلب سے ذکر کی مشق کی جائے اور محض لطیفۂ قلب
کے مسلسل اور پیہم ذکر سے وہ تمام ثمرات اور نتائج حاصل ہو جاتے ہیں جو لطائف کی مشق
سے حاصل کیے جاتے ہیں۔[1] یہ حضرات لطائف کی طرف تفصیلی توجہ کو حجاب سمجھتے ہیں۔
مشائخ کا اختلاف تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد حضرت والد علیہ الرحمۃ حضرت حاجی
امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے طریقے کو ترجیح دیتے ہیں حضرت لکھتے ہیں۔

"احادیث میں ایسے امور کے سلسلہ میں صرف قلب ہی کا ذکر آتا ہے اور چونکہ لطائف
کا شغل رکھنے والے حضرات کے نزدیک لطائفِ خمسہ میں باہم اتصال ہے، اسی لیے صرف
ذکر قلب سے ہی بقیہ لطائف میں آثار و افعال مذکورہ سرایت کر جاتے ہیں کیونکہ یہ
مرایا متعاکسہ کی طرح ہیں۔" صفحہ ۵

اس کے بعد "معارف اللطائف" میں یہ بحث کی گئی ہے کہ لطیفۂ قلب اور
قلبِ صنوبری (مضغہ، لحم) کا آپس میں کیا تعلق ہے اور اس مشہور حدیث شریف کی
تشریح کی گئی ہے کہ جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا
ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور دیکھو وہ دل ہے۔

فرماتے ہیں:

"اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرات صوفیا کے نزدیک

---

[1] بحوالہ اشرف المسائل صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴

قلب صنوبری (مضغۂ لحم) اور شے ہے اور وہ قلب جو لطیفہ ہے، دُوسری چیز ہے۔ قلب صنوبری جسد ظاہری کا جزو ہے اور وہ قلب جو لطیفہ ہے اس کا تعلق قلب صنوبری سے افاضۂ آثار و انوار کا ہے۔ جیسے حکماء بیان کرتے ہیں کہ نفس ناطقہ مجرّد ہے اور جزو بدن نہیں مگر اس کا تعلق بدن سے تصرّف و تدبیر کا ہے۔ ایسے ہی بقیہ لطائفِ اربعہ کا بھی خاص خاص مقامات جسم سے ایسا ہی تعلق ہے۔ اسی تعلق کی وجہ سے جب ذاکر لطائف سے ذکر کرنا چاہتا ہے تو اُن لطائف کے خاص خاص مقامات کی جانب جن کو ان لطائف سے تعلق ہے، توجہ کرتا ہے۔ اسی لیے جب لطیفۂ قلب کو ذاکر بنایا جاتا ہے، تو قلب صنوبری کی جانب توجہ کی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دُوسرے لطائف بھی۔ صفحہ (۵)

اِلاوھی القلب کی تشریح

"حدیث شریف میں ہے: "اِنّ فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الاوھی القلب": اس کی بنا پر یہ شبہ وارد ہو سکتا ہے کہ جس قلب کی اصلاح سے سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے، اسے مضغۃ فرمایا، تو یہ تو قلبِ صنوبری ہوا، نہ کہ لطیفۂ قلب۔ اس کے متعلق حضرات مشائخ نے یہ فرمایا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ حدیث میں "قلب" سے مراد گو لطیفۂ قلب نہیں بلکہ مضغۃ ہی مذکور ہے مگر یہ حکم "اذا صلحت صلح الجسد کلہ" دراصل اسی لطیفۂ قلب کا ہے۔ جس کو مضغۃ یا قلب صنوبری سے غایت اتصال اور تعلق کی وجہ سے ذکر فرمایا جیسے حالت ادراکیہ کو صورت علمیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔" صفحہ ۶

حضرت نے "معارف اللطائف" میں اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ لطائف کی مشق کسی کی ولایت کی دلیل نہیں اور اصل مقصود دوامِ ذکر کا حصول اور ملکۂ یادداشت کا رسوخ ہے۔ اسی مقالے میں یوں رقمطراز ہیں:

"یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ لطائف کے آثار کا ظہور و تحقق ولایت

کی دلیل نہیں اور نہ ان آثار و کوائف کے وجود سے مقبولیت پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ صفحہ ۱۳ ..... "الغرض ذکر لطائف و سلطان الاذکار وغیرہ سے مقصود اصلی یہ ہے کہ ذاکر کے دل و دماغ میں ایک مستحکم و راسخ ملکۂ یادداشت پیدا ہوجائے جس کی وجہ سے اکثر اوقات مقصود سے ذہول و غفلت نہ ہو بلکہ ذکر میں مشغول رہے، اسی کثرت کو صوفیہ کے کلام میں دوامِ ذکر سے تعبیر کیا جاتا ہے، جسے ہم عدم ذہول سے بھی تعبیر کرلیتے ہیں کیونکہ ہر شے کا دوام اس کی مناسبت سے ہوا کرتا ہے۔ مثلاً زید کہتا ہے کہ میں ہمیشہ پانچوں نمازیں پڑھتا ہوں، تو اس فقرہ میں "ہمیشہ" سے مراد روزانہ ہوگی اور عمر کہتا ہے کہ میں ہمیشہ جمعہ کی نماز ادا کرتا ہوں، تو یہاں "ہمیشہ" سے مراد ہر ہفتہ ہوگا اور بکر کہتا ہے کہ میں ہمیشہ عید الفطر کی نماز پڑھتا ہوں، تو یہاں "ہمیشہ" سے مراد سالانہ ہوگی۔ اسی قاعدہ کے مطابق ذکر کے دوام سے مراد ذکر کے مناسب ہی ہوگا اور وہ ہے اکثر اوقات میں عدم ذہول۔ کیونکہ اوقات کے ایک ایک لمحہ کا مصروفِ ذکر ہونا عادتاً محال اور ناممکن ہے۔ نیند وغیرہ امور جو انسانی زندگی کے لیے عادتاً لازمی اور لابدی ہیں، ان میں ذہول لازمی ہے، اسی لیے بعض حضرات صوفیہ نے لفظ دوام کا استعمال ترک کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ طریقت میں مقصود کثرتِ ذکر اور دوامِ طاعت ہے جیسا کہ حافظ شیرازی نے کہا ہے:

در بزمِ عیش یک دو قدح نوش کن برو
یعنی طمع مدار وصالِ دوام را" (صفحہ ۱۵)

ذکرِ لسانی افضل ہے یا ذکرِ قلبی

اس بارے میں اُن کی رائے وہی تھی جس کا اظہار حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ

نے "الوابل الصّیب" میں کیا ہے۔ اپنے مقالے" ذکراللہ عزّوجل" میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"الذکر تارۃً تکون بالقلب واللسان، وذٰلکَ افضل الذکر، و بالقلب وحدہ تارۃ وھی الدرجۃ الثانیہ، وباللسان وحدہ تارۃ وھی الدرجۃ الثالثۃ۔ افضل الذکر ما تواطأ علیہ القلب واللسان، وانّما کان ذکرالقلب وحدہ افضل من ذکراللسان وحدہ لانّ ذکر القلب یثمر المعرفۃ ویہیّج المحبۃ ویثیر الحیاء ویبعث علی المخافۃ ویدعوا الیٰ المراقبۃ ویردع عن التقصیر فی الطاعات والتھاون فی المعاصی والسیّات۔ وذکراللسان وحدہ لایوجب شیئاً من ھٰذہ الآثار، وان اثمر شیئاً منھا فثمرۃ ضعیفۃ۔" (صفحہ ۳)

(ذکر کبھی بیک وقت دل اور زبان سے ہوتا ہے اور یہ ذکر کی سب سے افضل صورت ہے اور کبھی صرف دل سے ہوتا ہے اور فضیلت کے لحاظ سے یہ دُوسرے درجے کا ذکر ہے اور کبھی صرف زبان سے ہوتا ہے اور یہ ذکر کا تیسرا درجہ ہے۔ سب سے افضل ذکر وہ ہے جس میں دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو اور صرف قلبی ذکر، صرف ذکرِ لسانی سے افضل ہے اس لیے کہ ذکرِ قلبی سے معرفت پیدا ہوتی ہے، محبّت اور حیاء اُبھرتی ہے ذکرِ قلبی خشیت کا باعث ہے اور مراقبے کی استعداد پیدا کرتا ہے اور طاعات میں کوتاہی سے روکتا ہے اور نافرمانیوں اور بداعمالیوں کو حقیر سمجھنے سے باز رکھتا ہے اور ذکرِ لسانی تنہا ایسے کوئی نتائج پیدا نہیں کرتا اور اگر کوئی اثر پیدا کرے بھی تو بہت ہلکا ہوتا ہے۔)

بیعتِ طریقت

بیعتِ طریقت کے بارے میں حضرت والد علیہ الرحمہ کی رائے وہی تھی جس کا اظہار حضرت شاہ ولی اللہؒ

نے "القول الجمیل" میں کیا۔ بیعتِ طریقت کو مسنون اور موجب برکات سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ کہنا درست نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں صرف بیعتِ اسلام اور بیعتِ جہاد ہی تھی مُسلم شریف، ابو داؤد اور نسائی کی اس حدیث سے استدلال فرماتے تھے:

عن عوف بن مالك الاشجعي قال كنّا عند النبی صلی اللہِ تسعة او ثمانية اوسبعة فقال الا تبايعون رسول اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فبسطنا ايدينا وقلنا علی ما نبايعك يا رسول الله قال علی ان تعبدوا الله و لا تشركوا به شيئاً وتصلوا الصلوٰت الخمس وتسمعوا وتطيعوا واسر كلمة خفية قال ولا تسئلوا الناس شيئاً فلقد رأيت بعض اولٰئك النفر يسقط سوط احدهم فما يسأل احداً يناوله اِيّاه "

(حضرت عوف بن مالک اشجعی کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں حاضر تھے۔ ہم سات آدمی تھے یا آٹھ یا نو ہوں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اللہ کے رسولؐ سے بیعت نہیں کرتے؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کس امر پر آپ کی بیعت کریں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ان باتوں پر بیعت کرو کہ تم اللہ کی عبادت کرو گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ گے اور پانچ وقت نماز پڑھو گے اور احکام توجہ سے سنو گے اور اطاعت کرو گے اور ایک بات آہستہ کی اور وہ یہ تھی کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان میں سے بعض افراد کو دیکھا کہ ان میں کسی کا کوڑا گر جاتا تو وہ بھی کسی سے نہ مانگتا کہ اسے اٹھا کر دے دے)

فرماتے تھے: یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخاطب صحابۂ کرام ہیں، اس لیے یہ بیعتِ اسلام نہ تھی اور بیعت کے مضمون سے ظاہر

ہے کہ بیعتِ جہاد بھی نہ تھی بلکہ اعمالِ صالحہ کے التزام و اہتمام پر بیعت لی گئی اور صوفیائے کرام کے ہاں جو بیعت معمول ہے اس کی حقیقت بھی اعمالِ صالحہ کے التزام و اہتمام کا معاہدہ ہے"۔

کشف و کرامات

وہ اس بات کے قائل تھے کہ اولیاء اللہ کو کشف ہوتا ہے اور خرقِ عادت بات کا ظہور بھی اُن سے ہو سکتا ہے لیکن کشف و کرامت کو ولایت کی کسوٹی نہیں مانتے تھے۔ فرماتے تھے کہ کشف، کافر، ملحد اور دہریے کو بھی ہو سکتا ہے۔ مجاہدے اور ریاضت سے انسان میں بعض باطنی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں، جن کی وجہ سے ریاضت کرنے والے کو کشف ہونے لگتا ہے اور شریعت میں کشفی علوم کو حجت نہ مانتے تھے۔ اسی طرح خرقِ عادت کا ظہور، فرماتے تھے کہ جوگیوں سے بھی ہوتا ہے اور یہ ریاضت کا ثمرہ ہے۔ کسی کی ولایت کی دلیل نہیں۔ بعض صحابہؓ سے عمر بھر کسی بھی خرقِ عادت بات کا ظہور نہیں ہوا، اس کے باوجود وہ تمام اُمّت سے افضل ہیں۔

توجّہ اور تصرّف

توجّہ اور تصرّف کے بارے میں بھی اُن کی رائے یہ تھی کہ اسے کمال اور قربِ الٰہی میں کوئی دخل نہیں اور نہ ولایت و مقبولیّت کی علامت ہے کیونکہ توجّہ میں یکسوئی کی مشق سے ایک فاسق و فاجر آدمی بھی اپنی ہمّت باطنی کو مضبوط اور قوی بنا سکتا ہے۔ مسمریزم اور عملِ تنویم کا دار و مدار بھی ہمّتِ باطنی کی مشق پر ہے۔ مشائخ میں بھی یہ قوّت کثرتِ مجاہدہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس قوّت کا استعمال اگر کسی نیک مقصد کے لیے ہو، تو اس تصرّف کو بھی محمود سمجھا جائے گا اور اگر مقصود مذموم ہے تو یہ تصرّف بھی مذموم ہوگا۔